تنویر انجم کی شاعری میں آزادیٔ وتانیثیت کے اہم افکار کی عکاسی

محمد رفیق، پی ایچ ڈی اسکالر قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پشاور
ڈاکٹر ناہید رحمان، شعبہ اردو، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پشاور

Abstract:

The article covers fundamental ideas of liberal feminism that have been depicted by Urdu Poetess namely Tanweer Anjum. She has been impressed by the concepts of political autonomy and freedom. She has reflected Feminist problems such as Honor killing, Economic, Legal, Political and social rights of Pakistani women, who have been fallen victim to terrorism, Social oppression, Gender differences, Social stereotypes and Old customs.

ملخص :

اس مقالے میں آزادیٔ وتانیثیت کے بنیادی افکار کا جائزہ لیا گیا ہے جنہیں اُردو کی ایک اہم شاعرہ تنویر انجم نے اپنی شاعری میں منعکس کیا ہے۔ وہ اس دبستان کے مشہور تصورات عورت کی سیاسی اور انفرادی خود مختاری سے متاثر نظر آتی ہیں۔ انہوں نے تانیثی مسائل جیسے پاکستانی عورت کا ناموسی قتل، معاشی، قانونی، سیاسی اور سماجی حقوق کو موضوع بنایا ہے۔ پاکستانی عورت دہشت گردی، سماجی جبر، صنفی امتیازات، سماجی کلیشوں اور فرسودہ روایات وغیرہ کو اپنی شاعری میں نمایاں جگہ دی ہے۔

Key words:

Feminist Autonomy (تانیثی خود مختاری), Political Autonomy (سیاسی خود مختاری), Legal Rights(قانونی حقوق) , Honor Killing (ناموسی قتل), Gender Differences(صنفی افتراقات),Stereotype(کلیشہ),Oppression(جبر)

آزادیٔ وتانیثیت انفرادی خود مختاری کے حوالے سے عالمی معاشرہ میں خواتین کی ایک انسان کی حیثیت سے پہچان کی داعی ہے اور مرد کے برابر مساوی حیثیت دلانا چاہتی ہے۔ حقیقت میں سیاسی جغرافیائی تقسیم کی وجہ سے عورتوں کو سب سے زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا ہے خصوصاً عالمی اور علاقائی تنازعات کی وجہ سے دُنیا بھر کی خواتین در بدر ہو کر اپنی شناخت سے محروم ہو گئی ہیں اور ان کے بنیادی حقوق ہر جگہ مجروح ہو رہے ہیں۔

برِ صغیر کی تقسیم کے دوران بہت بڑے پیمانے پر ہجرت ہوئی تھی اور شاید یہ ایک بڑی سطح کی نقل مکانی تھی لیکن اس کے نتیجے میں بہت بڑے عدم اطمینان نے سر اُٹھایا اور بہت سے خاندان مغربی ممالک کو ہجرت در ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اپنی جنم بھومی کو چھوڑ کر دوسرے معاشروں میں بود و باش اختیار کرنا اجنبیت اور مغائرت کا ایسا مسئلہ ہے جس کے نتیجے میں غیریت یا نامانوسیت پیدا ہو جاتی ہے ایک تو ہجرت کرنے والا خاندان نئے معاشرے میں جذب نہیں ہو سکتا اور رفتہ رفتہ اپنی زبان، اقدار اور ثقافت کو بھول جاتا ہے۔ بعض معاشروں میں عورتوں کو تعصبات اور عصبیات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے مثلاً تمام مغربی معاشروں میں مسلمان خواتین کے حجاب کے خلاف منافرت پائی جاتی ہے اپنی زمین کو چھوڑنے سے شناخت کی جو صورتحال جنم لیتی ہے اُسے تنویر انجم نے اپنی نظم ''گُم شدہ گھروں کے راستے'' میں اس طرح بیان کیا ہے:

گُمشدہ گھروں کے راستوں پر
اُداسیوں کے کنارے کنارے چلتے رہو
کہ اُداسیوں کے کنارے کنارے
کوئی لمحہ کشتی بن کر آن ملے گا
اور تمہیں زندگی کے سمندروں کے پار لے اُترے گا
اور کبھی کبھی آئینوں میں دیکھتے رہو
کہ تمہارے چہرے پر تباہیوں کے کون کونسے رنگ ہیں
اور وہاں جہاں آنسو لڑکیاں بن کر ناچتے ہیں
کبھی کبھی جاتے رہو
کہ ہمیں اب وہ آبادیاں نہیں ملیں گی
جہاں موسم مور بن جاتے ہیں
اور جہاں پُھول من پسند ہاتھوں سے من پسند جُوڑوں میں ٹانکے جاتے ہیں
اور وہ تمام رائیگاں خوشبوئیں
جنہیں تم اپنے لاپتہ گھروں میں اُگاتے رہے
کسی ایسے دریچے میں چُھپا رکھو
جہاں تمہاری نسل کے راز پوشیدہ ہیں

ہم نے آنکھیں بند کر لیں
اور خیالوں کے تھرکتے ہوئے دھبّوں کو تھام لیا
ایسا نہ ہو کہ کوئی دھبّہ ہماری زبان پر گر پڑے
اور رشتوں کی ساری تاریکیوں کو اور تاریک کر دے
اس سے کیا ہوتا ہے کہ ان تمام ہاتھوں سے
جو ہماری جلاوطن تنہائیوں کے ساتھی نہیں ہیں
ہمارے خوابوں نے پُھول لینے سے انکار کر دیا
اور زندہ آبادیاں اور خوبصورت موسم ہماری رسائی سے بہت دور ہیں
ہم جو چلتے چلتے اپنے گھر بُھول گئے
اپنی گُمشدہ تاریخ کو کہاں کہاں ڈھونڈیں گے
اور آنے والی نسلوں کے لئے کونسے تحفے سنبھال کر رکھیں گے
اور وہ محبّتیں جو ناکامیوں کے باوجود کی جاتی رہیں
اور وہ نفرتیں جن کے لئے لفظوں کے نئے پیرہن ھونڈنے میں
ہماری عمریں اچانک ہی گزر گئیں
تمہارے ذہن کی حدود میں داخل نہ ہو سکیں گی
اور ہم اپنے دِلوں کی جنتّیں جلا کر
اپنے گُمشدہ گھر تک پہنچ نہ پائیں گے (۱)

آزادروتانیثیت کے بنیادی فلسفے کی رُو سے عورت بھی ایک انسان ہے اور اُسے ایک آزاد انسان کی حیثیت سے پہچان دینا اس کا اہم ترین بنیادی حق ہے کیونکہ تقریباً سبھی معاشرے مرد محیط اقدار پر اُستوار ہوئے ہیں اور عورت محیط قدروں سے عاری ہیں اور عورت کی پہچان صرف انسان کی حیثیت سے نہیں کی جاتی بلکہ نسلی عصبیت، جہالت، ذات و پات، جرگہ بندی، تہذیب، مذہب اور دیگر یک طرفہ استحصالی تجربات سے اُس کو متواتر دبائے رکھا جاتا ہے۔

تنویر انجم نے اپنی نظم ''یہ محض اتفاق ہے'' میں صنفی امتیازات اور مردوں کے عمومی روّیوں کو موضوع بناتے ہوئے کہا ہے کہ مرد عورتوں کو مخصوص سماجی فوائد اور مادی احتیاجات کے لیے پسند کرتے ہیں۔ مرد عورتوں کو اس لیے برداشت کرتے ہیں کہ وہ ان کی اچھی ملازمائیں، اولاد کے وسیلے، تسکین کے ذرایع اور لونڈیاں ہو سکتی ہیں لیکن

افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی دوست اور رفیق نہیں ہو سکتیں اس لیے کہ مرد جب چاہتے ہیں عورت کو غیرت کے نام پر قتل سے گریز نہیں کرتے گویا یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ عورتوں کی حیثیت پھولوں سے زیادہ نہیں ہے، مردان کی خوشبو سے لطف اندوز ہونے کے بعد ان کو مسلنے میں دیر نہیں کرتے۔ شاعرہ کے نزدیک یہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ مردوں کا متفقہ لائحہ عمل ہے کہ عورتوں کو اپنی ذات اور خواہش کے لیے زندہ رکھیں۔ نظم ملاحظہ ہو:

یہ محض اتفاق ہے
تمہارے شریر میں ایک بچہ
جسے کوئی ہے
ی ماں نہیں ملی
میرے دھیان میں ایک لوری ہے
جو تمہیں سنائی جا سکتی تھی
تمہارے شریر میں ایک مرد ہے
جسے کوئی عورت نہیں ملی
میرے دھیان میں ایک رقص ہے
جو تمہیں دکھایا جا سکتا تھا
تمہارے شریر میں ایک بوڑھا ہے
جسے کوئی اولاد نہیں ملی
میرے دھیان میں ایک لڑکی ہے
جو تمہارے تھکے ہوئے پیر داب سکتی تھی
اور یہ محض اتفاق ہے
کہ تم میرے دشمنوں کے ساتھ
مجھے قتل کرنے آئے ہو
تمہارے شریر میں ایک جنگ ہے
یا شاید میرے دھیان میں
یا شاید ہمارے اطراف میں

ابھی میری موت کے بعد
شہزادی کی سواری گزرے گی
اور اسے دیکھنے کی خواہش میں کھلی رہ جانے والی کھڑکیوں پر
تیر برسائے جائیں گے
اور کبھی نہ کبھی یہ اتفاق ہوگا
کہ تمہاری کھڑکی کھلی رہ جائے گی
ہم ان شاخوں میں سے ہیں
جنہیں تراش کر دنیا کے باغ کو خوبصورت بنایا جائے گا
تمہارے شریر میں ایک موت ہے
جو میرے نصیب میں لکھی ہے
میرے دھیان میں ایک تیر ہے
جو خواہش کی کھلی رہ جانے والی کھڑکی سے آنے والا ہے (۲)

اگرچہ بھوک اور فاقہ کشی ایک عالمگیر مسئلہ سمجھا جاتا ہے تاہم مردوں کے مقابلے میں عورتیں اور بچیاں اس کا زیادہ شکار ہوتی ہیں، عورتوں کو مردوں کے برابر حصہ نہیں دیا جاتا اور جان بوجھ کر ان کو پسماندہ رکھا جاتا ہے۔ پاکستان میں کئی خاندان ایسے ہیں جو عورتوں کو جائیداد میں حصہ نہیں دیتے جبکہ صنفی امتیاز کی بنیاد پر انھیں غذائی قلت کا مسئلہ در پیش ہے۔ بیشتر گھرانوں میں لڑکیوں کو اس وقت تک کھانا نہیں دیا جاتا جب تک لڑکے کھانا نہ کھائیں ان کو بچا کچھا کھانا دیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مرد کماؤ سمجھا جاتا ہے اور خاندان کی جائداد کا وارث بھی چنانچہ میکے میں بھی لڑکیاں کمزور غذا کھانے پر مجبور ہوتی ہیں اور سسرال میں بھی۔ پس تنویر انجم نے اپنی نظم میں طنز کے طور پر کہا ہے کہ عورت کی بھوک کا مسئلہ قبر میں جا کر حل ہوگا۔ عورت کے مقدر میں نہ ختم ہونے والی بھوک اور اور انتظار کی اسی کیفیت کو نظم ''تھال میں روٹی سوکھ گئی ہے'' میں ملاحظہ کیجیے:

تھال میں روٹی سوکھ گئی ہے
بھوک بہت ہے

تھال میں روٹی سوکھ گئی ہے
دیر بہت کی آنے میں
پیاس بہت ہے
ہوا نے پانی خشک کیا ہے
دیر بہت کی آنے میں
مٹی کھودنے جانا تھا
دریا ڈھونڈنے جانا تھا
چاند کو چھونے جاتا تھا
دل کا لوہا کندن ہوا تو
لہو بدن کا سر ہوا تو
چاند کا رستہ بند ہوا تو
بھوک بہت ہے
پیاس بہت ہے
قبر پر اُگنے والی
خودرو گھاس بہت ہے (۳)

اپنی نظم ''خاندان'' میں تنویر انجم نے مشرق میں عورت کے استحصال کو موضوع بنایا ہے جس میں شاعرہ نے کھل کر مشترکہ خاندانی نظام کی مخالفت کی ہے۔ شاعرہ کے نزدیک مشرق میں خاندانی نظام کی ساخت میں بنیادی کردار ذات پات، نسلی عصبیت اور خاندانی وجاہت کا فاخرانہ تصور ادا کرتا ہے، سیاست، معاشرت اور انتظام کاری کی ہر سطح پر خاندانی بڑائی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ انتخابات میں بڑے خاندانوں کو ووٹ دینا اور ان کو اقتدار کی کرسی تک پہنچانا تمام غریب طبقات پر فرض کیا گیا ہے، سماجی عزت کا مستحق صرف اعلیٰ خاندانوں کو قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح ریاست کے انتظامی اُمور میں خاندانی وجاہت کو ترجیح دی جاتی رہی ہے لیکن یہی خود ساختہ خاندانی نظام بھکارنوں کو پیسوں کے ساتھ بچّے بھی دیتا ہے۔ یہی نظام بیرونی ملک دولت کمانے والوں کی عورتیں کو بھی اپنے مردوں سے دُور رکھنے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے، یہی پورا نظام بدعنوانی پر قائم ہے اور اسے خاندانی تفاخر کا شکار مرد اپنی عورتوں کو

دولت اور اقتدار کے حصول کے لیے رقص بھی سکھاتا ہے، گویا خاندانی وجاہت کا پورا نظام منافقت اور دوغلے پن کا شکار ہے۔ شاعرہ نے اِن تمام منافقانہ روّیوں کو نظم کیا ہے:

خاندان

نقاب پوش بھکارنیں ویگنوں میں مردوں کے درمیان سے گزرتی ہیں
میرا جسم جنسی بھوک سے تڑپتے ہوئے مردوں سے ٹکراتا ہے
میری ماں کہتی ہے
ہمارے خاندان کی بیٹیوں کی شرافت بے مثال ہے
جوان بھکارنوں کو بھیک میں
پیسوں کے علاوہ بچے بھی ملتے ہیں
بھیک دینے والوں کا دل پگھلانے والے کمزور بچے
میرے لاوارث بچوں کے باپ کون سے بنگلوں میں رہتے ہیں
مجھے ان کے پتے معلوم نہیں ہیں
میرا باپ کہتا ہے
ہم خاندانی لوگ ہیں
ہمارے بیٹے نظریں اُٹھا کر بے پردہ لڑکیوں کو نہیں دیکھتے
غیر ممالک میں پیسہ کمانے والوں کی بیویاں
شوہروں کا انتظار چھوڑ دیتی ہیں
اخباروں میں چھپتا ہے
ہمارے ملک کی معیشت اور سکون کا دار و مدار
بڑی حد تک
غیر ممالک میں کام کرنے والے محنتی نوجوانوں کے
بھیجے ہوئے زرِ مبادلہ پر ہے
ایک پر خلوص افسر اپنے ماتحت کو سمجھاتا ہے
اگر چھوٹی چھوٹی باتوں میں اُلجھ کر اس طرح بیک ورڈ رہے

تو عمر بھر ترقی نہیں کر پاؤ گے
میرا شوہر مجھے جدید رقص کے اُصول سکھاتا ہے
مشرق کے خاندانوں میں
جو محبت اور تعاون ہے
وہ اور کہیں نہیں ہو سکتا(۴)

تنویر انجم نے اپنی نظم ''منسٹر صاحبہ کی پاور پوائینٹ فائل''میں عالمی دہشت گردی اور غیر جمہوری سیاست کے نتیجے میں پاکستانی عوام کا سیاسی چہرہ دکھاتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک خاتون وزیر کی اقوامِ متحدہ میں قرض اور امداد مانگنے کے لیے پریزینٹیشن کی فائل پاکستانی سماج کی کئی تصویریں لگائی جاسکتی ہیں مثلاً سڑکوں پر بھکاری عورتوں اور ان کے بچوں کی تصویریں، دہشت گردی میں ملوث کردہ مولویوں کی تصویریں یا پھر دہشت گردی اودھماکوں میں جُھلسے ہوئے افراد کی تصویریں، سب پریزینٹیشن کے لئے درست ہیں کیونکہ ہمارے پاس بھیک اور امداد مانگنے کے لیے انتخاب زیادہ ہے۔ جب امداد آئے گی تو اہلِ اقتدار آپس میں بانٹ لیں گے اور بھوک یا غُربت کا راج اُسی طرح جاری رہے گا۔ نظم کا طنز آمیز لہجہ اور الفاظ کی کرخنگی ملاحظہ کیجیے:

منسٹر صاحبہ کی پاور پوائنٹ فائل
یو این او کے سامنے پیش کرنے کو
منسٹر صاحبہ کی پاور پوائنٹ فائل میں
تصویریں کون سی رکھی جائیں
سڑکوں پر بھکاری بچے
ایک جیسے لگتے ہیں
کوئی بھی رکھ لیں
برقعوں میں ملبوس عورتوں کے چہرے
ایک جیسے لگتے ہیں
کوئی بھی رکھ لیں
داڑھیوں میں چھپے مولویوں کے چہرے

ایک جیسے لگتے ہیں
کوئی بھی رکھ لیں
دھماکوں کے بعد مسخ شدہ جسم
ایک جیسے لگتے ہیں
کوئی بھی رکھ لیں
منسٹر صاحبہ کے لیے پاور پوائنٹ فائل میں
ڈیزائن کون سا رکھا جائے
رنگ کون سے بھرے جائیں
آپشنز بے شمار ہیں
کسی ماہر کو بلائیں (۵)

تنویر انجم نے اپنی نظم ''عالمی ادب اور خواتین'' میں عالمی ادبیات میں عورتوں کی ادبی تصاویر اور مرّقعات کا ذکر کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مردوں نے عورتوں کو غدار یا بے وفا کرداروں کے طور پر پیش کیا ہے۔ یونان کی اینٹی گنی، ہندوستان کی شکنتلا، میرا بائی، عراق کی شہر زاد بانو، مغرب کی ڈیسڈی مونا، کاوسلو پلاتھ اور ایملی ڈکنس جیسی نامور خواتین کا ذکر مرد لکھاریوں نے مکار اور چالاک کرداروں کے روپ میں کیا ہے حالانکہ یہ سب مردوں کے ظلم و جبر کا شکار ہوئیں۔ ان خواتین کا ذکر ادب میں صرف نصابی خانہ پُری کے لیے کیا جاتا ہے لیکن مردوں کے ہاتھوں ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کا متعصبانہ جواز پیش کیا جاتا ہے۔

تقریباً سبھی تانیثی تحریکوں نے عالمی ادبیات میں عورت کی پیشکش پر اعتراض کیا ہے کہ اَن میں عورتوں کے بارے میں مرد ساختہ یک رُخی تصویر پیش کی گئی ہے لیکن آزاد رَو تانیثیت ادبیات کو صنفی امتیازات کے تناظر میں دیکھتی ہے اور عورت کی آزادی اور مساوات کو ادبیات میں تلاش کرتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ مشہور تانیثیت پسند خواتین مثلاً ارن دھت رائے، فدویٰ طوقان اور نوال السعودوی کا ذکر بھی فکری انتہا پسندی کے ضمن کیا جاتا ہے اور یہ سب کمزور اور رٹہ باز طلباء کو صرف امتحانی ضرورتوں کے لیے پڑھایا جاتا ہے کہ وہ تاریخی صداقتوں پر کوئی سوال نہ اُٹھا سکیں۔ اس نصابی المیہ کو شاعرہ نے اپنی نظم میں یوں واضح کیا ہے:

عالمی ادب میں خواتین
بھر گئیں ایک چوتھائی کرسیاں کمرے کی

نئے لوگوں سے
غم سے آزاد چہروں والے
پھر اینٹی گنی نے جان دے دی اپنی
اپنے بھائی کی لاش کو دفن کرنے کے لیے

شکنتلا کو محبت میں محویت کے سبب
بد دعا ملی
کھو بیٹی وہ انگوٹھی
جس سے مشروط تھی دُشینت کی یادداشت
شہر زاد نے برداشت کی انتہا کر دی
ایک ہزار ایک راتوں تک
ایک قاتل کو کہانی یاں سناتے
بغداد کی لڑکیوں کو بچانے کے لیے
میرا بائی نکل گئی جنگلوں میں
جوگیوں کے ہمراہ
یا شاید سما گی کرشن کی مورتی میں
اپنے محل کے قاتلوں سے بچ کر
گلا گھونٹ دیا حاسد اوتھیلو نے
ایک ناقابل برداشت الزام کے بوجھ سے
نجات کے لیے
سو جانے والی ڈیسڈیمونا کا
ایملی ڈکنسن سوار ہو گئی
ایک رتھ پر
موت کے ساتھ

سلویا پلاتھ نے گالی دی
اپنے باپ کو
اور گیس بھرے چولھے میں سر دے دیا
گھومتی رہیں کمرے میں
اپنی درد بھری چیخوں کے ساتھ
فدویٰ طوقان، نوال السعدوی، ارن دھتی رائے
پھر اٹھ گئے
غم سے آزاد چہروں والے طالب علم
چوتھائی کرسیوں کو خالی کر کے
باہر اپنی اور دوسرے خوش باش لوگوں کی
تصویریں کھینچنے کے لیے
امتحان میں کامیابی کے لیے
نچلے ترین درجے پر قانع
ناکام ہو گئیں
تاریخ کی غمزدہ ترین عورتیں
انہیں پاگل کرنے یا مرنے پر اکسانے کی
تعلیمی سازش میں (۶)

نظم ''وہ ہمیں رُلا سکتا ہے'' میں شاعرہ نے سرمایہ درانہ نظام پر طنز کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے نتیجہ میں مالی بد عنوانی کا کلچر مضبوط ہو چکا ہے اور دیانت داری، ایمان داری اور امانت داری جیسی اخلاقی قدریں ختم ہو چکی ہیں۔ شاعرہ کے نزدیک بڑے اور اعلیٰ ترین درجے کے ہوٹلوں میں کام کرنے والی افرادی قوت اتنی ایمان دار ہو چکی ہے کہ ایک ایک روپیہ گاہکوں کو واپس کر دیتی ہے لیکن بڑے بڑے ممالک اربوں ڈالر خلائی دوڑ کے نام پر پھانک لیتے ہیں اور ترقی پذیر ممالک کے حکمران عوام کے نام جو قرض لیتے ہیں وہ عوام کی فلاح اور بہبود کی بجائے بیرونی ملک منتقل کر کے اپنی جائدادیں بنانے میں صرف کر دیتے ہیں اور اس کی ادائیگی عوام کے ذمہ

بدستور رہتی ہے اور یوں دنیا بھر میں مالدار اور غریب کے نام سے دو طبقات ہمیشہ کے لیے موجود رہتے ہیں۔ تنویر انجم نے درج ذیل غزلیہ شعروں میں اس معاشرتی تضاد کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

اک کھیل نے دکھائے دنیا کے سب تماشے
اہلِ ہوس کو دیکھا، اہلِ کرم کو دیکھا (۷)

رہبر و رہزن ہیں اک زنجیر میں باندھے گئے
ہے فلک گریہ کناں ، یہ شہرِ بے آئین ہے (۸)

شاعرہ کے نزدیک کسی ہوٹل کا مزدور بھی امانت گر ہوتا ہے اور کسی ریاست کا حکمران بھی۔ مگر اولذکر امانت داری پر ایمان رکھتا ہے جبکہ حکمران لوٹ مار کو ترقی سمجھتے ہیں؛ کسی غریب کی ایمان داری اور اہلِ اقتدار کی حرصِ ناتمام کو دیکھ کر ہر ذی فہم انسان کو رونا آتا ہے، نظم ملاحظہ کیجیے:

وہ ہمیں رُلا سکتا ہے
دس سال کے صاف ستھرے بلو کو کوئی نہیں دیکھتا
مگر وہ کبھی کبھی ہمیں رلا سکتا ہے
ایک روپے میں
ایک روپیہ اب کچھ خریدنے کے قابل نہیں رہا
اور کاغذ کے نوٹ سے پیتل کے سکّوں میں
تبدیل ہو رہا ہے
سات ارب ڈالر کا نیا امریکی خلائی اسٹیشن
ایٹمی اور غیر ایٹمی ہتھیاروں پر دولت کا ضیاع
غیر ملکی قرضوں
بینکوں میں قرضوں کے معافی ناموں
اور اس طرح کی ہزاروں بد عنوانیوں نے
ایک روپے کو بالکل بے کار کر دیا
اور سگنلوں پر بھکاریوں نے
دو روپے کے نوٹ کی توقع شروع کر دی
برگر، سینڈوچ، سموسے اور چائے سرو کرنے کے لیے
بلو کی پگار کیا ہے؟
ہم نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی
ہمارے اپنے مسائل کچھ کم نہیں
ہمیں تو ایک نوجوان کو
بزنس مینجمنٹ کی ایک امریکی کتاب پڑھوانے کے لیے
کئی ہزار روپے ادا کرنے ہوتے ہیں
اور ایسی ہی بہت سی دیگر ادائیگیاں
جو ہمیں ایک تگ و دو میں مصروف رکھتی ہیں

ہم شاموں کو عام طور پر وہاں چائے پیتے ہیں
جہاں ایک پیالی چالیس روپے کی ملتی ہے
مگر لنچ سے پہلے بلو کے مالک کی کینٹین میں
چار روپے میں
بلو پر شاید اس کے مالک نے پابندی لگائی ہو
یا اس کے والدین نے سکھایا ہو
یا یہ اس کی فطری خودداری ہو
وجہ کچھ بھی ہو
مگر پانچ روپے کے نوٹ سے بچا ہوا ایک روپیہ
جو ہم اپنی نرم دلی کے باعث
اسے ضرور دینا چاہتے ہیں
وہ بہ اصرار واپس کر کے
ہمیں بے اختیار رلا سکتا ہے(۹)

مذکورہ بالا نظموں کے علاوہ تنویر انجم کی اہم ترین نظموں میں ''نئی زبان کے حروف''، ''آخری قطار میں گایا ہوا گیت''، ''بھیگے ہوئے پر''، ''گلاب اور خاندان''، ''مجھے کوئی جلدی نہیں ہے''، ''جب سوچ رہی تھی میں''، ''یہ میری دوڑ نہیں ہے''، ''حاشیوں میں''، ''اپنی طاقت پر توجہ مرکوز رکھنے کے لیے'' اور ''ہماری دنیاؤں کے درمیان'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں جن میں ان کے بنیادی تصورات مثلاً عورت کے معاشی اور معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ تنویر انجم کی شاعری میں تانیثی مسائل جیسے طبقۂ نسواں کی بھوک، صنفی رستگاری، روزگار، آزادی، عملی صنفی ضرویات اور صنفی شناخت وغیرہ کو موضوع بنایا گیا ہے اور مردانہ نظامِ اخلاق کا ردّ پیش کیا گیا ہے تاہم ان کی شاعری میں قاری کو مرد بے زاری کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اُن کی شاعری میں ایک نئی عورت کا ایسا تصور ملتا ہے جو مشرقی اور روایتی عورت کے تصورات سے یکسر مختلف ہے اور مغرب سے ماخوذ ہے۔ شاعرہ کے نزدیک جب تک عورت کو مغربی عورت کی طرح سیاسی اور قانونی خود مختاری نہیں ملتی اُس وقت تک مشرقی عورت کی صحیح آزادی کا تصور

کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اِن وجوہات کی بناپر یہ کہنا درست ہے کہ انہوں نے فکری لحاظ سے دوسرے تانیثی سکو لوں کے مقابلے میں آزادرَوتانیثیت کے افکار سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔

مجموعی حوالے سے اگر دیکھا جائے تو جدید اُردو شاعرات نے نہ صرف صنفی امتیازات کے خلاف آواز اُٹھائی ہے بلکہ موئثر طریقے سے اُردو شاعری میں ایک نسائی اصلوب کو بھی جواز دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج پاکستانی اُردو شاعری میں جدید عورت کی آواز منفرد اور موئثر سُنائی دیتی ہے، ڈاکٹر کہکشاں تبسم نے درست کہا ہے؛

''جب حنائی انگلیوں نے قلم اور کاغذ سے دوستی گانٹھی اور اپنے جذبوں کا اظہار شعر گوئی کے بہانے کرنا شروع کیا تو تہذیبی جبر نے ان کے وجود کی حرمت پر ہی سوال کھڑے کرنے کا کام شروع کیا اور تاریخی جبر نے اسے اوراق میں درج کرنے سے پہلے جھاڑ لیا۔''(۱۰)

حوالہ جات:

۱۔ آنکھیں لہریں، تنویر انجم، شکیل پبلیشرز، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۶۱ تا ۱۶۳

۲۔ سفر اور قید میں نظمیں، تنویر انجم، زبیری پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۹ تا ۲۱

۳۔ ایضاً، ص ۸۵

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۷، ۱۰۶

۵۔ نئے نام کی محبت، تنویر انجم، سٹی پریس بک شاپ، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۴۵

۶۔ ایضاً، ص ۱۷۹ تا ۱۸۲

۷۔ سرو برگِ آرزو، تنویر انجم، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳

۸۔ ایضاً، ص ۲۰۱

۹۔ زندگی میرے پیروں سے لپٹ جائے گی، تنویر انجم، سٹی پریس بک شاپ کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۲۸ تا ۳۰

۱۰۔ نسائی شعری آفاق، ڈاکٹر کہکشاں تبسم، تاج آفیسٹ پریس، پٹنہ۔ ۴، ۲۰۱۵، ص ۹